پاکستان میں دہشت گردی کے محرکات
اور ذرائع ابلاغ کا تزویراتی کردار

محمد ریاض

کلیدی الفاظ : ذرائع ابلاغ ، نائن الیون ،القاعدہ ،دہشت گردی ،ہابیل و قابیل

خلاصہ

ذرائع ابلاغ عصرِ حاضر کا ایک اہم ہتھیار ہے۔ مغرب بمقابلہ اسلام کا رجحان ، اسلام و مسلمانوں کی تضحیک، تہذیبی تصادم اور دیگر متنازع نظریات کے پس پردہ ذرائع ابلاغ کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔اولین واقعہ جواس پورے منظر میں ذرائع ابلاغ کے کلیدی کردار کا موجب بنا وہ نائن الیون حادثہ تھا۔دہشت گردی کے خلاف جنگ کا باقاعدہ اعلامیہ امریکی ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے کے بعد جاری کیا گیا۔اس سلسلے میں مغربی ذرائع ابلاغ نے امریکی حکومت کا پورا پورا ساتھ دیا۔اسی دوران پاکستان میں ذرائع ابلاغ کو بھی زبردست فروغ حاصل ہوا۔خاص طور پر برقیاتی ابلاغ جو جمود کا شکار تھے اور ان کا دائرہ کار صرف سرکاری چینل تک محدود تھا، کو نئی جہت ملی۔ ملکی سطح پر نجی ٹیلی ویژن چینلز شروع کئے گئے۔ایف ایم ریڈیو کی تعداد بڑھی اور میڈیائی صنعت نے جو کبھی پرنٹ میڈیا تک محدود تھی، ذرائع ابلاغ کی ہیئت مجموعہ کا روپ دھار لیا۔شروعات میں ان چینلوں کی بنیاد اظہارِ رائے کی آزادی جیسے نظریات سے رکھی گئی تھی اورریاست کے چوتھے ستون کے طور پر قبولیت کا درجہ عطا کرنے کا عزم بھی کیا گیا تھا، بعد میں یہ دونوں نظریات ثانوی حیثیت اختیار کرگئے اور میڈیائی صنعت مسابقت کی لت میں پڑ گئی۔اس مقالے میں نے ہم موجودہ ذرائع ابلاغ کی تزویراتی کردار کو چار نکات میں بیان کیا ہے۔اول : ذرائع ابلاغ نے دہشت گردی کو سنجیدہ لینے کی بجائے خبریت کے طور پر قبول کرلیا۔دوم: ذرائع ابلاغ نے اصلِ واقعہ پر توجہ دینے کی بجائے بات کو بڑھاچڑھا کر بیان کرنے کی عادت ڈالی۔ سوئم: دہشت گردی جیسا اہم معاملہ باہمی مسابقت کی وجہ ٹھہراچہارم: مسابقت کی اندھا دھند دوڑ میں ضابطہ اخلاق کا خیال نہیں رکھا گیا جو معاشرتی اصلاح اور افرادی کی تربیت میں بالکل بھی ممدو معاون نہیں بن سکتا تھا۔

ابتدائیہ

ذرائع ابلاغ عصرِ حاضر کا ایک اہم ہتھیار ہے۔ کسی بھی قوم، مذہب، ملک اور شخصیت کو اچھائی یا برائی کی طرف نسبت دینا (اگرچہ فی الواقعہ اچھائی یا برائی کا سرزد ہونا یقینی نہ ہو) ذرائع ابلاغ کیلئے بہت آسان اور ضروری اَمر بن گیا ہے۔ مغرب بمقابلہ اسلام کا رجحان، اسلام و مسلمانوں کی تضحیک، تہذیبی تصادم اور دیگر متنازع نظریات کے پس پردہ ذرائع ابلاغ کا کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ رواں صدی کے آغاز میں ہی چند ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی آڑ میں ذرائع ابلاغ سے خوب خوب استفادہ کیا گیا اور استفادے کی کیفیت انسانی تعمیر کیلئے ہونی چاہیے تھی بد قسمتی سے کلی طور پر منفی نظر آئی۔
اولین واقعہ جو اس پورے منظر میں ذرائع ابلاغ کے کلیدی کردار کا موجب بنا وہ نائن الیون (۹/۱۱) حادثہ تھا۔ کچھ امریکی خود ساختہ ثبوت تھے اور کچھ القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کا اقرار، ملے جلے حالات و واقعات کے تناظر میں القاعدہ اس حادثے کی ذمہ دار قرار پائی۔ مٹھی بھر ملزمان کے اس اقدام سے نہ صرف اسلام کی بدنامی ہوئی بلکہ اسلام کو باقاعدہ ایک دہشت پسند مذہب قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ یہ تمام مفروضات ذرائع ابلاغ کی چھری تلے قائم کئے گئے اور عالمی سطح پر ذرائع ابلاغ کا یہ اقدام منفی کردار کے طور پر سامنے آیا۔
دہشت گردی کے خلاف جنگ کا باقاعدہ اعلامیہ امریکی بلند و بالا عمارتوں (ورلڈ ٹریڈ سینٹر) پر حملے کے بعد جاری کیا گیا۔ اس سلسلے میں مغربی ذرائع ابلاغ نے امریکی حکومت کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اگرچہ اس جنگ کا براہِ راست تعلق امریکہ اور القاعدہ تنظیم سے تھا تاہم بالواسطہ پاکستان کی شمولیت بھی ہوئی۔ عسکری وسول معاونت حاصل کئے بغیر پاکستانی زمینی و فضائی گزرگاہوں تک رسائی حاصل کی گئی اور نتیجتاً پاکستان اس جنگ کا غیر ارادی فریق بن گیا۔ ایک عشرے سے زائد عرصے پر محیط اس جنگ کے کیا مقاصد حاصل ہوئے یہ ابھی طے ہونا باقی ہے لیکن پاکستان کی حد تک یہ پیشگوئی ضرور کی جا سکتی ہے کہ اس عرصے میں ہزاروں قیمتیں جانیں ضائع ہوئیں۔ پاک فوج کے سینکڑوں آفیسروں اور جوانوں نے اپنی جان کا نذرانہ دیا جبکہ معیشت کو غیر یقینی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔

دہشت گردی کے خلاف نام و نہاد اس جنگ کا آغاز ۲۰۰۱ء کے آواخر اور ۲۰۰۲ء کے اوائل میں ہوا تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی دوران پاکستان میں ذرائع ابلاغ کو بھی زبردست فروغ حاصل ہوا۔ خاص طور پر برقیاتی ابلاغ جو جمود کا شکار تھے اور ان کا دائرہ کار صرف سرکاری چینل تک محدود تھا، کو نئی جہت ملی۔

ملکی سطح پر نجی ٹیلی ویژن چینلز شروع کئے گئے۔ ایف ایم ریڈیو کی تعداد بڑھی اور میڈیائی صنعت نے جو کبھی پرنٹ میڈیا تک محدود تھی، ذرائع ابلاغ کی ہیئت مجموعہ کا روپ دھار لیا۔ شروعات میں ان چینلوں کی بنیاد اظہارِ رائے کی آزادی جیسے نظریات سے رکھی گئی تھی اور ریاست کے چوتھے ستون کے طور پر قبولیت کا درجہ عطاء کرنے کا عزم بھی کیا گیا تھا، بعد میں یہ دونوں نظریات ثانوی حیثیت اختیار کرگئے اور میڈیائی صنعت مسابقت کی لت میں پڑ گئی۔

بم دھماکے، فائرنگ اور اغواء برائے تاوان جیسے واقعات کی کوریج ایسے انداز میں کیا جانے لگا جیسے ان واقعات کا جاننا عوام کیلئے ضروری ہے۔ یہ بے چینی دراصل باہمی مسابقت کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ ٹی وی چینلوں نے اپنی موجودگی کا جواز خودکش حملوں اور بم دھماکوں کی تشہیر میں ڈھونڈ لیا۔ قطع نظر اس کے کہ اس سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوں گے اور کم عمروں کے اذہان کس قدر شکستگی کا شکار ہو جائیں گے۔ اثر اور اثرات کا خیال نہ رکھتے ہوئے دہشتگردانہ واقعات کی تشہیر کا سب سے بڑا منفی پہلو خوف و دہشت اور معاشرے کی مزید شکستگی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ایک ایسے ماحول میں جہاں ایک طرف دہشت گردی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہو وہی دوسری طرف ذرائع ابلاغ کی بے مقصد مسابقت نہ صرف ایک تعمیری معاشرے کے قیام میں رکاوٹ بنی بلکہ بعض دفعہ لاشعوری طور پر ان واقعات کو شہ دینے میں معاون بھی بنی۔ اس سلسلے میں ہم موجودہ ذرائع ابلاغ کی تزویراتی کردار کو چار نکات میں بیان کرتے ہیں:

اول: ذرائع ابلاغ نے دہشت گردی کو سنجیدہ لینے کی بجائے خبریت کے طور پر قبول کرلیا

دوم: ذرائع ابلاغ نے اصلِ واقعہ پر توجہ دینے کی بجائے بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی عادت ڈالی

سوئم: دہشت گردی جیسا اہم معاملہ باہمی مسابقت کی وجہ ٹھہرا

چہارم: مسابقت کی اندھا دھند دوڑ میں ضابطہ اخلاق کا خیال نہیں رکھا گیا اور پل پل باخبر رکھنے کے جذبے سے سرشار ذرائع ابلاغ ہر وہ پہلو دیکھانے لگے جو معاشرتی اصلاح اور افرادی کی تربیت میں بالکل بھی مدد و معاون نہیں بن سکتا تھا۔

اب ہم موضوع کے دیگر پہلو کی طرف آتے ہیں اور یہ وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دہشت گردی کیا ہے، پاکستان میں دہشت گردی کے محرکات کیا ہیں اور دہشتگردانہ واقعات کے رونما ہونے کی صورت میں ذرائع ابلاغ کا کردار کس قدر تعمیری ہے۔

دہشت گردی کی پہلی واردات:

بنی نوع انسان کی بنیاد آدم علیہ السلام کی ذات ہے۔ قوم، قبیلہ، ذات پات، مذہب اور مسلک، یہ تمام امتیازات انسان کی شناخت کیلئے وضع کئے گئے ہیں جبکہ انسان نے شناخت سے زیادہ ان اصطلاحوں کو اپنی امتیازی شان سمجھا اور اب یہ اصطلاحات شناخت سے بڑھ کر ذہنی اختراع کے طورپر دنیاکے سامنے ظاہر ہوچکی ہیں۔ما قبل و ما بعد الشعور ہر دو حالت میں انسان کی جسمانی و طبیعی ہیئت ایک ہی تھی کہ وہ انسان ہے۔ تخلیقی وتدریجی صلاحیت تک پہنچتے پہنچتے انسان کی خارجی ہیئت وحیثیت میں کافی بدلاؤآیا۔وہ گروہوں کی صورت میں رہنے لگا۔ قبیلوں، قوموں، مذہبوں، مسلکوں اور فرقوں کی کئی درجن اصطلاحیں اسی بدلتی ہوئی خارجی ہیئت وحیثیت کے تناظر میں وضع ہوئیں۔

ایک طرف تمدنی نمو ہورہی تھی اور دوسری طرف انسان اپنے ہی جیسے انسان سے دوری اختیار کرتا جارہا تھا۔ گویا جس قدر وسائل کی فراوانی ہوئی اُسی قدر ذات پات، زبان،مذہب، قوم، قبیلہ، مسلک وغیرہم کی بنیاد پر نزاع، چپقلش، دشمنی اور رقابتوں میں اضافہ ہوا۔زیادہ وقت نہیں گزرا تھاکہ بنیادی اشتراک کے باوجود انسان اپنے ہی جیسے انسان کے خون کا پیاسا ہوگیا۔اولین باہمی نزاع کا واقعہ ہابیل اور قابیل کے درمیان ہواجوزمین پر قدم رکھنے والے پہلے انسان آدم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ قرآن مجید اور مورخین کے مطابق ان دونوں کے درمیان نزاع کی بنیادی وجہ باہمی رقابت تھی۔ ایک خدا کی درگاہ میں مقرب تھا، دوسرا معتوب، ایک کو فضیلت ملی دوسرے کو قعرِمذلت سے دوچار ہوناپڑا۔

مالکِ کون و مکان کی طرف سے ودیعت کردہ دونوں صفتیں (فضیلت ومذلت) نہ صرف اِن دوانسانوں کے درمیان باہمی مسابقت کا سبب بن گئیں بلکہ آئندہ زندگی کیلئے ایک نشانِ راہ بھی متعین کرگئیں۔ اللہ کی بارگاہ سے راندہ شدہ شخص (قابیل) کو یہ فیصلہ پسند نہ آیا، وہ سرکشی پر اُترآیا۔اُس نے نہ صرف اس حکم سے اپنے آپ کو مبرّا سمجھا بلکہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کردیا۔(1) یوں دنیا میں باقاعدہ دہشت گردی کا آغاز ہوگیا۔ہابیل مظلوم مارے گئے جبکہ قابیل جودہشت گردی کے مرتکب

قرار پایا تھا، دنیا کے سامنے ابتدائی دہشت گرد کے روپ میں ظاہر ہوا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں تشدد پر مبنی یہ ابتدائی واقعہ مذہبی بڑھوتری ثابت کرنے کیلئے وقوع پذیر ہوا۔

دہشت گردی کیا ہے؟

دہشت گردی کوئی نئی اصطلاح نہیں۔ زمانۂ قدیم سے ہی اس کے آثار مختلف شکلوں میں موجود تھے۔ یوں تو اس مفہوم کی فی الواقع تعریف بیان کرنا مشکل ہے، البتہ تمام جزئیات سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے ایک ہی نکتہ کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بے جرم وخطاء کسی انسان کو قتل کرنا، ستانا، ظلم ڈھانا، خوف و ہراس پھیلانا اور نہتے لوگوں پر حملہ کرنا دہشت گردی ہے۔ مفکرین نے بھی دہشت گردی کی مخصوص تعریف سے اجتناب کرتے ہوئے صرف لفظ ''دہشت'' کی وضاحت کی ہے۔ بعض کے نزدیک دہشت گردی کی اصلاً کوئی تعریف ہے ہی نہیں۔ ''ایک شخص کا ہیرو دوسرے شخص کیلئے دہشت گرد ہوسکتا ہے اور دوسرے شخص کا دہشت گرد پہلے شخص کیلئے ہیرو یعنی مجاہد ہوسکتا ہے۔''(2)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس مفہوم کی کوئی تعریف نہیں تو پھر ہم دہشت گردی کی شناخت کیسے کریں اور اس عمل کے مرتکب شخص کو کس نام سے پکاریں؟؟ خارج میں لفظ کا ظہور تبھی ہوتا ہے جب مفہوماً اور مستعملاً اس کا وجود ہو۔ اگر ہم یہ کہہ کر کہ '' لفظ دہشت گردی کی کوئی تعریف نہیں ہوسکتی''، اس کو مبہم چھوڑ دیں تو پھر خوف وہراس اور معاشرے میں بدامنی پھیلانے والوں کو کس نام سے پکارا جانا چاہیے؟ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم کسی ایسے نقطہ نظر کی طرف ملتفت ہوں جو دہشت گردی کی تعریف فی البدیہہ یا فی الواقع نہ صحیح مجملاً تو اس کی وضاحت کرسکے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برناٹیکا میں دہشت گردی کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

''دہشت گردی کسی سیاسی مقصد کے حصول کیلئے حکومت، عوام یا کسی فرد کے خلاف منظّم طور پر خوف وہراس یا ناقابل تصدیق تشدد کا نام ہے۔''(3)

سیاسی نظام میں خلل پیدا کرنے والے محرکات کو دہشت گردی کہا گیا ہے، جبکہ قوم پرستی، انقلاب اور حکومتی مشینری کی طرف سے روا رکھے گئے سلوک کو بھی دہشت گردی کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے۔ قوم پرستی، لسانیت، انقلابات اور حکومتی کردار کو الگ سے بیان کرنے کے باوجود معلوم ہوتا ہے کہ اصل مدعا یعنی سیاسی نظام میں خلل اندازی کو ہی دہشت گردی جانا گیا ہے۔ آگے چل کر اسی کتاب میں مزید لکھا گیا ہے:

''سیاسی تنظیمیں اپنے قدامت پسندانہ اور جدت پسندانہ اہداف کے حصول کے لئے دہشت گردی کرتی ہیں۔اسی طرح قوم پرست، نسلی و لسانی گروہ،انقلاب پسند گروہ اور خود حکومتی فوج اور خفیہ پولیس بھی دہشت گردی کاارتکاب کرتی ہے۔'' (4)

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف سیاسی مقصد کا حصول ہی کیوں؟کیامذہبی، معاشی، معاشرتی وغیرہم کے مقاصد کا حصول کسی بھی طرح سے ممکن ہو، جائز ہے؟ انسان کے اولین وجود سے لے کر اب تک جینا اور صرف اپنی بقاء کا معاملہ نازک بھی رہاہے اور سنگین بھی،اس دوران صرف اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور ذاتی خواہشات کی تکمیل کیلئے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتاراگیا۔ جبکہ مذہبی شناخت کی برقراری اور دینی حیثیت کو نمایاں کرنے کیلئے بھی متعدد جنگیں اس بنیاد پر لڑی گئیں کہ ہر فرد یا قوم خود کو مذہبی اعتبار سے برتر (برحق) سمجھتی تھی۔

ابراہیم (علیہ السلام) اور نمرود، موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون، محمد مصطفیٰ (ا) اور ابو جہل تاریخ کے دو رُخ ہمیشہ سے اس لئے الگ الگ بیان ہوئے کہ ان میں سے ہر فریق جداگانہ مذہبی و سماجی نظریات رکھتا تھا۔اب ان میں سے کوئی بھی فریق عقلی بنیادوں سے ہٹ کر کوئی بھی عمل انجام دے تو وہ دہشت گرد متصور ہوگا اور جو عقل اور منطق کو بروئے کار لاتے ہوئے انسانیت کی فلاح کا ضامن بن جائے تو وہ پیغمبر، مصلح اور امن پسند تصور ہوگا۔بعد کے زمانے میں یہی معیار تاریخ کے ہر صفحے پر نظر آنے لگا۔بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ سیاست سے بڑھ کر مذہب زیادہ میدان عمل میں رہا۔ بین المذاہبی تنازعات کی کئی مثالیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ خود مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان قریباً دو سو سال تک جنگیں لڑی گئیں جو آج بھی ہماری تاریخ میں ''صلیبی جنگوں'' کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ بدیہی بات ہے کہ صلیبی جنگوں کے مُحرکات سیاسی قطعاً نہ تھے۔بلکہ یہ جنگیں مقدس نام (مذہب) سے منسوب کرکے لڑی گئیں اور ان کی سرپرستی پاپائیت نے کی۔(5) لہٰذاانسانی سماج کے تمام تر معاملات، چاہے ان کا تعلق سیاست سے ہو، مذہب سے ہو یا قومیت سے ہر صورت بہترین طرزِ زندگی کا حصول ہر فرد کی خواہش اور اولین ضرورت رہی ہے۔ صرف سیاست میں ہی پیدا شدہ اتھل پتھل جیسی صورت کو دہشت گردی قرار دینا موضوع کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہے۔اس سے بھی زیادہ جان بوجھ کر ایک

روشن حقیقت کو پس پشت ڈالنے اور بھیانک سازش کو پنپنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے جس کی باریکیوں سے آج کا انسان، خاص طور پر مسلمان ناآشنا ہے۔
امریکی محکمہ ریاست (U.S State of Department) نے بھی اسی سے ملتی جلتی تعریف بیان کی ہے جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ایک پہلو کو اجاگر کرکے دیگر کئی پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کا عمل ایک پوشیدہ شرارت (دہشت گردی) کی نشاندہی کررہا ہے۔

"The term ''terrorism'' means premeditated, politically motivated violence perpetrated against non-combatant targets by subnational groups or clandestine agents; usually intended to influence an audience."(6)

"دہشت گردی سے مراد سیاسی محرکات کے تحت تشدد پر مبنی سوچی سمجھی کاروائی ہے جو نیم حکومتی گروہ یا خفیہ کارندے کریں اور جس کا نشانہ غیر مقاتل افراد بنیں۔ اس کاروائی کا مقصد بالعموم کسی خاص گروہ پر اثرانداز ہونا ہوتا ہے۔"

اس تعریف میں بھی صَرف نظری سے کام لیاگیا ہے اور صرف سیاسی نظام میں خلل کو دہشت گردی کہا گیا ہے، جبکہ پچھلے ایک عشرے سے "دہشت گردی" کے خلاف جاری جنگ کے کیا سیاسی مُحرکات تھے، یہ آج تک تعین نہ ہوسکا۔ اگر ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے کرنے والے دہشت گرد مسلمان تھے تو ان کے مطمع نظر صرف مذہبی محرکات تھے نہ کہ سیاسی، انہوں (دہشت گردوں) نے فرض کرلیا تھا کہ وہ مسلم اُمہ کی حفاظت کرنے اور ان کے ساتھ روا رکھے گئے ظلم کا بدلہ لینے چلے ہیں۔ بقول ان "دہشت گردوں" کے امریکہ چونکہ مسلمانوں کا دشمن ہے، لہٰذا بدلہ لینے اور امریکیوں کو سبق سیکھانے کیلئے یہ اقدام اٹھایا۔ اُن کے تئیں فلسطین اور دیگر متاثرہ علاقے جہاں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک ہورہا ہے اس کا سدباب اس طرح کے حملوں سے کیاجاسکتا ہے۔
یہ تمام کے تمام مفروضات صرف ایک قوم کی حفاظت کیلئے وضع کئے گئے بعدازاں انہی مفروضات کی بنیاد پر امریکہ دہشت گردانہ حملوں کا نشانہ بنا۔ ان دہشت گردوں نے صرف مذہب کو بنیاد بناکر اتنا بڑا اقدام اٹھایا جبکہ زمینی حقائق اس بات کے گواہ ہیں کہ ان حملوں میں سیاسی محرکات کا قطعاً کوئی دخل نہ

تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صرف سیاسی محرکات ہی دہشت گردی کا سبب بنتے ہیں؟ تسلیم کرنا ہوگا کہ دنیا میں اب تک صرف مذہبی محرکات کی بنیاد پر ہی جنگیں لڑی گئیں اور باہمی تنازعات کا بازار گرم رہا۔ البتہ جنگِ عظیم اول اور جنگِ عظیم دوم کے پس پردہ حقائق کی روشنی میں ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ ان جنگوں کے وقوع پذیر ہونے میں چند سیاسی محرکات ضرور تھے۔

خاص طور پر جرمن قوم پرستی نے جنگ کے شعلے بھڑکادیئے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جرمنی سمیت فرانس، امریکہ، روس اور دیگر اتحادیوں میں اکثریت کا تعلق عیسائیت سے تھا۔ جاپان اس جنگ میں کودا تھا تو اس کی وجوہات بھی سیاسی یا معاشی مقاصد کا حصول تھا۔ صرف یہی وہ دور ہے جہاں مذہب باہمی نزاع کا باعث نہیں بنا جبکہ ان جنگوں میں قوم پرستی بھی نظر آئی، معاشی مقاصد کا حصول بھی پوشیدہ نظر آیا اور مفادات کا باہمی ٹکراؤ بھی۔ اس دوران اگر کسی کا براہ راست کردار نہ تھا تو وہ مذہب کا تھا۔

بین الاقوامی شہرت یافتہ امریکی دانشور نوم چومسکی نے دہشت گردی کو دو مختلف معنوں میں بیان کیا ہے۔ ایک لغوی معنی اور دوسرا عام معنی (عام سے مراد مقتدر طاقتوں کی جانب سے وضع کردہ تعریفات ہیں) دہشت گردی کا لغوی تصوریوں بیان کیا ہے: ''دہشت گردی تشدد کی دھمکی کا نپا تُلا استعمال ہے جو دباؤ ڈال کر اور جبر یا خوف پیدا کرکے سیاسی، مذہبی یا نظریاتی اہداف حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔'' ان کے نزدیک دہشت گردی کی عام تعریف یہ ہو سکتی ہے: ''جو کوئی بھی امریکہ، اس کے دوستوں اور اس کے حلیفوں کے خلاف ہے وہ دہشت گرد ہے۔'' (7)

نوم چومسکی کی طرف سے بیان کردہ تعریف سے مندرجہ ذیل نکات اخذ کئے جاسکتے ہیں:

- آج کے زمانے میں ہر طاقت ور انسان غریب اور کمزور آدمی کو (حکم نہ ماننے پر) دہشت گرد سمجھتا ہے۔
- مقتدر طاقتیں معاشی حصول کیلئے کسی بھی ملک، قوم اور ریاست کو دہشت گرد سمجھتی ہیں۔
- مفروضات پر مبنی نظریات کی بنیاد پر کسی قوم، ملک، ملت اور مذہب کو دہشت گردی سے منسوب کرنا استعماری طاقتوں کا طاقت ور حربہ بن گیا ہے۔
- اقتدار اور مال و دولت کی لالچ انسانی حواس کو ٹھکانے میں رہنے نہیں دیتی۔ سازشی نظریات اور خفیہ میٹنگوں کے ذریعے پہلے راہ ہموار کی جاتی ہے بعدازاں دہشت گردی کا لیبل لگا کر حکم نہ ماننے والے

"دہشت گردوں" کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز کیا جاتا ہے۔ عراق اور افغانستان اس کی واضح ترین مثال ہے۔ جبکہ شام نام و نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نشانے پر آتے آتے بچ گیا۔

- پچھلے ایک عشرے کے دوران دہشت کے گردی کے نام پر لاکھوں لوگوں کی جانیں اس لئے لی گئیں کہ وہ لوگ امریکی و مقتدر قوتیں کے حکم پر لبیک نہیں کہتے تھے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی جانب سے منعقدہ کانفرنس میں دہشت گردی کی تعریف یوں وضع کی گئی:

"وہ ظلم و زیادتی جو انسان کے دین، عقل، مال اور عزت پر افراد، تحریکات اور جماعتوں کی جانب سے کی جائے۔ اس میں خوف و ہراس، ایذا رسانی، تہدید و تخویف، ناحق قتل، راستوں کو پر خطر بنانا اور رہزنی اور ڈاکہ زنی جیسی تمام صورتیں داخل ہیں اور ہر وہ دہشت اور دھمکی آمیز اقدام جو کسی ایسی انفرادی یا اجتماعی مجرمانہ منصوبہ بندی کے نفاذ کیلئے ہوتا ہو جس کا مقصود لوگوں میں خوف پھیلانا، انسانی جان کی آزادی اور امن و سکون کو خطرے میں ڈال کر ڈرانا دھمکانا، اسی طرح ملک کے کسی خطے کو، رفاہ عامہ کی چیزوں کو یا عوامی یا ذاتی ملکیتوں کو نقصان پہنچانا یا سرکاری اور قدرتی ذرائع آمدنی کو تباہ و برباد کرنا۔" (8)

مندرجہ بالا تعریف عمومی طورپر دہشت گردی اور اس سے ملحقہ اقدامات کی بھرپور تشریح کرتی ہے۔ صرف ایک ہی معاملہ کو دہشت گردی کے زمرے میں شامل کرنے کی بجائے اُن تمام معاملات کو دہشت گردی کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے جو انسان اور انسانیت کیلئے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تعریف ایک ایسے مذہب کی طرف سے بیان کی گئی ہے جو بذاتِ خود دہشت گردی کا سب سے بڑا شکار ہے۔ لہٰذا مفصل اور جامع ہونے کے باوجود دنیا کی ہر قوم یا مذہب کیلئے یہ قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً لمحہ بہ لمحہ بدلتی دنیا اور پے در پے وقوع پذیر ہونے والے واقعات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوں، یقینی بات ہے کہ دنیا جس طرح اسلام اور ان کی تعلیمات کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے، پھر ان کے ماننے والوں کی طرف سے بیان کردہ کسی نظریہ کو کیونکر قبول کرے گی؟

اوپر درج کی گئیں دہشت گردی کی تعریفات کو سیاسی محرکات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے جزئیات کے طورپر کچھ نکات بیان کئے کہ دہشت گردی کی تعریف کو صرف سیاسی اکھاڑے تک محدود کرنے کا عمل ایک سازش کے سوا کچھ نہیں۔ ایک ایسا مفہوم جس کی وسعت بہت زیادہ ہو سکتی تھی اور

ہے، صرف ایک ہی پہلو تک محدود کرنا اس عمل کی نشاندہی ہے کہ مذہبی اور دیگر سماجی معاملات میں ہونے والے تنازعات، جارحیت، دھمکیاں اور دھونس جیسے محرکات قابل اعتناء ہیں اور ان کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ ایک اور پس پردہ محرک امریکی جارحیت کے ان تمام مظالم کی پردہ پوشی بھی ہے جن کا تعلق افغانستان اور عراق جنگ سے تھا۔

امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک نے دہشت گردی کے خلاف اعلان کردہ جنگ کی آڑ میں پہلے افغانستان پر حملہ کیا۔ افغانستان پر الزام یہ تھا کہ اس نے اسامہ بن لادن جیسے ''بین الاقوامی دہشت گرد'' کو پناہ دی ہوئی ہے۔ تحقیقات و سفارشات اور مذاکرات سے رجوع کئے بغیر افغانستان پر جارحیت کی گئی اور نام و نہاد دہشت گردی کی آڑ میں افغانستان امریکی ''دہشت گردی'' کا شکار ہوا۔ بد قسمتی یہ تھی کہ افغانستان ایک مسلم ملک تھا۔ بطور جارح افغانستان میں داخل ہوئے امریکہ کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان کو عراق میں مشکوک ''سرگرمیاں'' نظر آئیں۔

عراق پر سب سے بڑا الزام کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا تھا۔ انہوں نے اس قدر مہم چلائی کہ اقوام متحدہ سمیت دیگر کئی ممالک اس بات کے حامی نظر آئے کہ عراق اگر کیمیائی ہتھیار تیار کرنے میں کامیاب ہوا تو وہ یقینی طور پر ''دہشت گردی'' کیلئے استعمال ہوں گے۔ اس پروپیگنڈہ نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو عراق پر حملہ کرنے کا ایک یقینی ماحول فراہم کیا۔ عراق پر امریکی حملہ دہشت گردی کی عام تعریف کی عملی صورت تھی جس کا تذکرہ مشہور دانشور نوم چومسکی نے کیا تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں کہ نوم چومسکی کے خیال میں دہشت گردی کی ایک تعریف امریکی حکومت اپنے مفادات کیلئے استعمال کرتی ہے اور ان کی نظر میں ہر وہ فرد یا ملک دہشت گرد ہے جو ان کی حکم عدولی کرتا ہے۔ نائن الیون کے فوراً بعد امریکہ کو اس ''اصول'' پر بھرپور عمل کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے دوٹوک الفاظ میں دھمکی تھی:

"Every nation in every region now has a decision to make, either you are with us or you are with the terrorists"۔(9)

''دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے کو اب فیصلہ کرنا ہوگا یا تو آپ ہمارے ساتھی ہیں یا پھر دہشت گردوں کے۔''

سابق امریکی صدر کا خطاب آئندہ دنیا کی واضح تقسیم کا موجب بنا۔ اگرچہ اس جنگ کا اعلان دہشت گردوں کے خلاف تھا لیکن اس بات کی وضاحت نہیں ملی کہ وہ دہشت گرد کون تھے؟ البتہ دہشت گردی کے خلاف

جنگ کے محرکات واضح طور پر ایک قوم (مسلمان) کے خلاف نمایاں نظر آئے۔ حالانکہ نائن الیون حادثے کے ذمہ داروں کا تعلق مسلمانوں سے تھا تو بھی یہ حقیقت نہیں تھی کہ پوری قوم یا مذہب اس قسم کے نظریات کا حامی ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ نائن الیون کے حملہ آوروں میں سے اکثر نے سیکولر ایجوکیشن حاصل کر رکھی تھی جو سطحی اسلامی علم کے ساتھ امتزاج کے بعد انتہا پسند آئیڈیالوجی کی صورت میں نمودار ہوئی۔" (10) انفرادی اقدامات کا اجتماعیت سے کوئی تعلق نہیں یہ تو دنیا کی ہر قوم جانتی ہے، اس کے باوجود فرضیہ بنیادوں پر مسلمان قوم کو دہشت گردی کی طرف منسوب سمجھنا اس بات کی علامت تھی کہ امریکی اقدامات کے تانے بانے بہت پہلے بُنے جا چکے تھے۔

تمہیدی بحث اور دہشت گردی کی تعریفات کے تناظر میں واضح ہوا کہ آج پوری دنیا میں دہشت گردی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ایک طرف دنیا کے طویل و عریض حصے میں جانوروں مثلاً کتے، بلی، ہرن سے پیار کرنے اور جانے بچانے کے کئی واقعات میڈیا میں آرہے ہیں تو دوسری طرف اسی دنیا کے کئی حصوں میں دہشت گردی کے نام پر انسان کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا ہے۔ ڈاکٹرائن نما سوچ دہشت گردی کو پروان چڑھانے کا سبب بن رہی ہے۔ غریب اور کمزور افراد کا انکار مقتدر قوتوں کیلئے سب سے بڑی گالی ہے، لہٰذا اپنی انا کی تسکین کیلئے یہ قوتیں دہشت گردی کو پنپنے کا موقع دے رہی ہیں۔

پاکستان میں دہشتگردی کے مُحرکات:

افغانستان کے پڑوس میں ہونے کے ناطے پاکستان کا دہشت گردی کے خلاف جنگ سے متاثر ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس فطری تعلق سے بھی زیادہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان وہ "معاشقہ" بھی کارفرما تھا جب ۱۹۷۹ء میں روس افغانستان پر حملہ آور ہوا۔ گوکہ روسی جارحیت خود ایک "دہشت گردی" تھی لیکن جہاد کے نام پر پاکستان سمیت کئی اسلامی ممالک کو اس جنگ میں گھسیٹ لانا امریکہ کا ہی کارنامہ تھا۔ (11) اس صورت حال کو جبکہ روس جارح تھا اور افغانستان اس کا شکار، بدیہی طور پر اس لئے نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ یہی اقدام بعد کی زندگی میں دہشت گردی کی بنیاد بنا۔

لہٰذا اعتراض یہ نہیں ہے کہ پاکستان افغان جنگ میں کیوں ملوث ہوا۔ سوالیہ نشان یہ ہے کہ امریکہ نے اس جنگ کی پشت پناہی کیوں کی؟ اس جنگ میں امریکی شرکت نے جہاں پاکستان اور افغانستان کی جہادی کوششوں کو سوالیہ نشان بنا دیا وہی پاکستان کی سالمیت کو سنگین خطرات بھی لاحق ہوگئے۔ تب سے لے

کر اب تک پاکستان مسلسل دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ اب ہم ان محرکات کو بیان کرتے ہیں جو پاکستان میں دہشت گردی کی وجہ بنے:

1) افغانستان کے ساتھ پاکستان کے قدیم دینی، نسلی، قبائلی تعلقات کے علاوہ لوگوں کے خاندانی رشتے بھی ہیں۔ روسی جارحیت کے بعد افغانیوں کے شانہ بشانہ پاکستانیوں کا لڑنا ایک مجبوری تھی۔ اس کے علاوہ جنگ کے بعد ۴۰ لاکھ افغان پناہ گزیں جو دنیا میں پناہ گزینوں کی سب سے بڑی آبادی ہے، پاکستان آکر آباد ہوئے۔ للٰذا پاکستان کو اس جنگ کی وجہ سے بہت بڑی سماجی اور معاشی قیمت ادا کرنا پڑی۔ خصوصاً سوویت یونین کے شکست پر مبنی انخلاء کے بعد امریکیوں کی عجلت یا منصوبہ بندی کے تحت واپسی نے پاکستان کو بہت بڑی مشکل میں ڈال دیا۔ یوں پاکستان ایک ایسی صورت حال میں داخل ہوا جس کی اس سے توقع نہیں تھی۔ افغان مہاجرین میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو سخت ترین روش کے حامل اور جہاد کی بھٹی میں کندن بن کر آئے تھے۔ انہوں نے اپنے نظریات کو پاکستانی معاشرے پر تھوپنے کی کوشش کی۔ ناکامی کی صورت میں وہ شدت پسندی پر اتر آئے اور یہی سے پاکستان میں دہشت گردی کا آغاز ہوا۔ (12)

2) ۸۰ء کی دہائی میں مذہبی انتہا پسندی سابق صدر ضیاء الحق کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے زور پکڑتی گئی۔ اس جہاد میں صوبہ سرحد کے مذہبی افراد شریک تھے کیونکہ افغان پختون اسلام کی بنیادی اور خالص تشریح پر یقین رکھتے ہیں۔ ضیاء الحق نے اپنے ذاتی اور سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے پاکستان کے اندر اور بیرون ملک بے لچک مذہبی جماعتوں کا حلقہ بنالیا جس سے پاکستان کی بہت بڑی اکثریت کا تعلق نہیں تھا اور یہ مذہبی حلقہ بعد میں شدت پسندی کی طرف مائل ہوا۔

3) سوویت یونین کی شکست کے بعد امریکی اجارہ داری کے اثرات نظر آنے لگے۔ ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت امریکہ اور یورپ خطے کو اپنے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔ مخلوط حکومت کی صورت میں ایک کمزور حکومت قائم ہوئی جس کی موجودگی میں افغان قبائلی آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے اور ان کے درمیان خون خرابہ آخری حدوں کو چھونے لگا۔ افغانستان میں طویل داخلی جھگڑوں کے اثرات پاکستان میں یوں ظاہر ہوئے:

- افغان مہاجرین کی کثیر تعداد پاکستان آئی

- ایک خاص نظریہ کی حامل جماعت (طالبان) کا وجود عمل میں آیا
- طالبان اور دیگر علاقائی تنظیموں کا القاعدہ جیسی بین الاقوامی تنظیم سے الحاق ہوا۔

4) افغان جنگ میں پاکستان کے مضبوط اور دلیرانہ کردار کئی "عالمی طاقتوں" کو کھٹکنے لگا۔ اس لئے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کیلئے ہندوستان سمیت کئی ممالک کی خفیہ ایجنسیاں متحرک ہوئیں۔ اس سلسلے میں ملک دشمن عناصر کو بھرپور استعمال کیا گیا۔ بم دھماکے، قتل و غارت گری اور دیگر خونی واقعات جن کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے کے پس پردہ بیرونی ہاتھ کا ملوث ہونا مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ آج بلوچستان کے خراب ہوتے حالات اس کڑی کی اہم مثال ہے۔

5) نائن الیون حادثے نے دنیائے سیاست کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ امریکی حکومت کی طرف سے باقاعدہ اعلانِ جنگ کے بعد ایک حکم نامہ جاری کر دیا گیا کہ "دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے کو اب فیصلہ کرنا ہوگا یا تو آپ ہمارے ساتھی ہیں یا پھر دہشت گردوں کے۔" (13) اپنے موقف کی مزید توثیق کیلئے امریکہ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے ۲۸ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ایک قرارداد (نمبر ۱۳۷۳) پاس کروائی۔ (14) اقوام متحدہ کے ممبر ہونے کے ناطے پاکستان نے بھی اس قرارداد کی حمایت کی اور پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا۔ وہ قوتیں جو افغان جہاد میں برسرِپیکار رہی ان کو پاکستان کا یہ فیصلہ پسند نہ آیا۔ وہ پاکستان کی اس پالیسی کے خلاف ہو گئیں۔ لہٰذا دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی شمولیت بھی ملک میں دہشت گردی کے اضافہ کا سبب بنی۔

6) انقلابِ ایران کے اثرات بھی پاکستان میں نمایاں طور پر دیکھے گئے۔ ایرانی رہنماء آیت اللہ امام خمینیؒ کے دعویٰ کے مطابق: ایرانی انقلاب کسی خاص گروہ یا فرقہ سے منسوب نہیں تھا بلکہ یہ تحریک ایرانی ہونے سے پہلے ایک اسلامی تحریک تھی۔" (15) اس دعویٰ کے باوجود ایرانی انقلاب کو ایک خاص مکتبہ فکر سے منسوب کرکے ردِ عمل کے طور پر پاکستان میں مذہبی تنظیمیں وجود میں آئیں۔ بعد ازاں ایرانی انقلاب سے متاثر تنظیموں اور انقلاب کی مخالف تنظیموں کے درمیان نظریاتی اختلافات کھل کر سامنے آگئے اور نوبت قتل و غارت گری تک جا پہنچی جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

7) لال مسجد آپریشن بھی دہشت گردی میں اضافہ کا سبب بنا۔ پاکستانی دارالحکومت اسلام آباد کے قلب میں واقع مشہور مسجد "لال مسجد" اور مدرسہ "مدرسہ فریدیہ و جامعہ حفصہ" کے خلاف

حکومتِ وقت کی کارروائی پاکستان میں خود کش حملوں میں مزید اضافہ کا باعث بنی۔ اس آپریشن کے اسباب و وجوہات پر بحث سے قطع نظر یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اس واقعہ نے پاکستان کو نہ صرف جانی و مالی نقصان پہنچایا، بلکہ اس کی بنیادیں بھی ہلا کر رکھ دیں۔

8) پاکستان میں دہشت گردی کے محرکات میں سے ایک بڑا محرک پاکستان پر امریکی ڈرون حملے ہیں۔ ان حملوں کا آغاز ۲۰۰۴ء میں ہوا اور ان کا سلسلہ نواز شریف حکومت کے ابتدائی دنوں تک جاری رہا۔ ان ڈرون حملوں کے ردِ عمل میں پاکستان کے بڑے شہروں کو ٹارگٹ کلنگ اور بم دھماکوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ملک میں ہونے والے اکثر دھماکوں اور حملوں کی ذمہ داری طالبان نے قبول کرلی ہے۔ (16)

مندرجہ بالا محرکات کو ہم نے کلیات کے ضمن میں بیان کیا ہے ورنہ جزئیات کی تو طویل فہرست ہے اور ایک پوری کتاب ترتیب دی جاسکتی ہے۔ اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان دہشت گردانہ واقعات کے تناظر میں ذرائع ابلاغ کے حقیقی کردار کو کو زیر بحث لائیں تاکہ ہمارا مدعا یعنی دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات اور ذرائع ابلاغ کی حکمت عملی واضح ہوسکے۔

ذرائع ابلاغ کی حکمت عملی:

ایک اسلامی مملکت ہونے کے ناطے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام قوانین اور اصول اسلام کے عین مطابق وضع کئے گئے ہیں۔ جس طرح دیگر شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی تعلیمات کو اولین فوقیت دی گئی ہے، اسی طرح ذرائع ابلاغ کی ہیئت، ترکیب اور ان کے اجزاء بھی اسلامی اصولوں کے مطابق مرتب ہونے چاہئیں۔ چونکہ ملک کی دگرگوں صورت حال اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مزید غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جائے۔ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے فرد کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ ملکی بقاء کو اولین فوقیت دے۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ سے وابستہ تمام افراد بھی بطور پاکستانی اس احساس کو اجاگر کریں کہ ملکی سالمیت تمام جزئیات و کلیات سے بڑھ کر ہے۔ خاص طور پر اس دہشت گردانہ ماحول میں ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری مزید دو چند ہو جاتی ہے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ خاص طور پر برقیاتی ابلاغ (الیکٹرونک میڈیا) کی عمر زیادہ طویل نہیں ہے۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں ملکی سطح پر باقاعدہ برقیاتی ابلاغ کا آغاز ہوا۔ نوزائیدہ ابلاغ (الیکٹرونک میڈیا) کو کچھ اصول، کچھ قواعد اور کچھ اخلاقیات سے آشنا ہونا چاہیے تھا مگر ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی نے اس کو وقت سے پہلے

"بالغ" بنادیا۔"مادر پدر آزاد" کے مصداق ہمارے الیکٹرونک میڈیا نے ان لوازمات (اصول، قواعد، اخلاقیات) کو قطعی اہمیت نہ دی۔ باہمی مسابقت کے ماحول کی فضاء بروقت اور اوائل عمر میں ہی قائم ہوئی۔ اگرچہ یہ عمل (مسابقت) تخلیقی و تدریجی صلاحیت کو پروان چڑھانے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا لیکن باصلاحیت کارکنان کی عدم دستیابی نے اس عمل (مسابقت) کی ساری اہمیت ختم کردی، یہاں تک کہ سنجیدہ افراد کی کوششیں اور ملک میں باوقار "میڈیا شعبہ" کے قیام کا خواب بھی چکنا چور ہوا۔ رہی سہی کسر بے وقت کی بریکنگ نیوز نے پوری کردی۔ سب سے پہلے، ہر وقت، بروقت، ہر پل اور ہر لمحہ پر نظر کے شوق میں متعدد بار وہ مناظر بھی دیکھائے گئے جن کی کوریج نہ معاشرے کی مفاد میں ہو سکتی تھی نہ ہی کسی فرد کیلئے۔ کبھی کبھار یہ "سب سے پہلے" کا عمل نہ صرف ملکی و قومی مفاد کے برخلاف نظر آیا بلکہ خود اس میڈیا ادارے (چینل) کیلئے سبکی کا باعث بھی بنا۔

اگر مبالغہ آرائی کا خوف نہ ہوتا تو آج کے پاکستانی میڈیا اداروں کی تشریح ان الفاظ میں ہو سکتی ہے۔"میڈیا کے اداروں نے آج کے پاکستانی انسان کی تمام ذمہ داریاں اپنے سر لے لی ہے۔ تفریح فراہم کرنا، وعظ و نصیحت کے فرائض انجام دینا، سیاسی اکھاڑے کے تمام واقعات سے باخبر کرنا، یہاں تک کہ مذہبی و سماجی معاملات بھی میڈیا اداروں کی گرفت میں آچکے ہیں۔ سالِ گذشتہ رمضان کے دوران "زرق برق" نشریات اس "ذمہ داری" کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔" جب زندگی کے تمام معاملات میں ذرائع ابلاغ کا کردار کلیدی ہو سکتا ہے تو پھر دہشت گردی اور اس سے جوڑے واقعات میڈیا کی نظروں سے کب او جھل رہتے؟سب سے پہلے باخبر رکھنے کے شوق میں ذرائع ابلاغ اس بات کا لحاظ بھی نہیں کرتے کہ ان کے ایک جذباتی اور مسابقتی عمل سے نہ صرف پاکستان کی سلامتی کو خدشات لاحق ہو سکتے ہیں بلکہ دہشت گردوں کی کاروائیوں کو مزید تقویت بھی مل سکتی ہے۔

اس لئے ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اپنے قیام سے لے کر اب تک نو مولود میڈیا نے "کارِ ستائیاں" اور "کارِ نمائیاں" جیسی دونوں طرح کی کارکردگی جاری رکھی ہوئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام کے شعور میں اضافہ کی ایک بڑی وجہ ذرائع ابلاغ کی مختصر اور جامع جدوجہد کارفرما ہے لیکن جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بھی ذکر کیا کہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی نے ذرائع ابلاغ کو خود احتسابی عمل سے بے گانہ کردیا اور اس عمل کے نتیجے میں ذرائع ابلاغ کی جانب سے تنقید و تنقیص جیسا کم درجے کا اصلاحی پہلو ابھر کر سامنے آیا۔

بنیادی ذمہ داری یعنی اندرون ریاست اصلاحی عمل کی توثیق اور تعمیری تنقید کا تعاقب کرتے کرتے ذرائع ابلاغ نے اپنے لئے ایک تیسرے راستہ کا انتخاب کرلیا اور وہ راستہ مسابقت کا تھا۔ میدان کے سجنے کی دیر تھی کہ ذرائع ابلاغ بے لگام گھوڑے کی طرح ایک ایسی دوڑ میں شامل ہوگئے جس کا انجام کم از کم فتح و کامرانی کا تو نہیں ہوسکتا۔ صدرِ پاکستان دبئی سے کراچی روانہ ہوگئے، خبر بن گئی۔ وزیراعظم پاکستان نے قدرِ تاخیر سے ناشتہ تناول فرمایا، خبریت کا پہلو سامنا آیا۔ پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف دوران تقریر جذباتی ہوگئے اور ان کو ہوش تک نہ رہا کہ وہ ان کی آواز دور تک پہنچانے والے تمام مائیک گراچکے ہیں۔ کبھی کبھی کبھار تقریر کے دوران شعری و شاعری کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں، شہباز شریف کی یہ تمام حرکات بھی ذرائع ابلاغ سے محفوظ نہ رہ سکیں اور وہ خبر کی زینت بن گئی۔
سابق وزیراعلیٰ بلوچستان نواب اسلم رئیسانی کے چٹکلے میڈیا کے آنکھ سے کیسے محفوظ رہتے۔ جعلی ڈگری اور کرسی کے بارے میں ان کے یادگار مقولے میڈیا میں اشتہار کا درجہ اختیار کرگئے۔(17) تعجب تو یہ ہے کہ چھوٹی سی چھوٹی بات بھی ذرائع ابلاغ کی فعالیت سے محفوظ نہ رہ سکی لیکن خفیہ ایجنسیوں کی طرح ذرائع ابلاغ کے ادارے بھی آج تک یہ بتانے سے قاصر رہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کے پس پردہ کن قوتوں کا ہاتھ ہے؟ دہشت گردی کے متعدد واقعات کے پسِ پردہ طالبان کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے تو یہ ذرائع ابلاغ کی محنت یا اصول نہیں بلکہ خود طالبان کے وہ بیانات ہیں جس میں وہ دہشت گردانہ وارداتوں کی ذمہ داری قبول کرتے نظر آتے ہیں۔(18)
دیگر قتل و غارت گری اور بم دھماکوں کے ذمہ داران آج تک ذرائع ابلاغ کی آنکھ سے اوجھل رہے۔ جدید حالات میں پاکستانی ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری صرف قتل و غارت گری کے واقعات کی ترسیل رہ گئی ہے۔ تاہم ذمہ داروں کی نشاندہی نہ کرنا ذرائع ابلاغ کی شاید کوئی مصلحت ہوسکتی ہے یا کسی انجانے خوف کا شائبہ، البتہ یہ ضرور ہے کہ غیر مبہم حکمت عملی کا تسلسل اب بھی جاری ہے۔ لہٰذا ایک طرف دہشت گردی ایک عفریت کی طرح کھڑی ہے تو دوسری طرف ذرائع ابلاغ کے مقتدر حلقوں میں دہشت گردوں کی شناخت کا مسئلہ ابھی تک مبہم ہے۔
ذرائع ابلاغ کا ''تجاہل عارفانہ'' جیسا رویہ، وقت بے وقت کی ''بریکنگ نیوز'' اور ''سب سے پہلے'' کی گردان سے ایسے لوگوں کو بھی شہ ملی جو بظاہر دہشت گرد یا دہشت پسند تو نہ تھے لیکن ہیرو بننے کی دُھن میں یا اس روایت

(جو عام طور پر پوری دنیا اور خاص طور پر پاکستانی معاشرے میں عام ہے کہ کسی عمل کی انجام دہی چاہے وہ مثبت ہو یا منفی کچھ اس انداز سے کرو کہ میڈیا تمہاری شکل، تمہاری آواز اور تمہارے الفاظ کی تشہیر کرنے میں تاخیر نہ کرے) کا حصہ بننے کی جستجو میں ناپسندیدہ افعال کے مرتکب ہوئے۔ بطور تمثیل ۱۶ اگست ۲۰۱۳ء کو اسلام آباد میں سکندر ملک نامی شخص کا غیر ضروری، غیر اخلاقی، غیر شرعی اقدام پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس شخص نے ساڑھے پانچ گھنٹے تک اسلامی ریاست (پاکستان) کے دارالحکومت کو صرف اس لئے یرغمال بنائے رکھا کہ وہ ملک میں اسلامی شریعت کا نفاذ چاہتا تھا۔ پس پردہ اس واقعہ کے مقاصد سے قطع نظر جو پہلو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ملکی میڈیا نے بھی اپنے ساڑھے پانچ گھنٹے سکندر ملک کیلئے وقف کر دیا۔ کیا اس واقعہ کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ معمول کی نشریات روکنی پڑی؟ حالانکہ میڈیا ابتدائی لمحات میں ہی اس شخص کی شناخت چار صورتوں میں کرسکتا تھا:

- کہ سکندر ملک مجرم ہے
- کہ سکندر ملک ملزم ہے
- کہ سکندر ملک باغی ہے
- کہ سکندر ملک مصلح ہے

مصلح اس لئے نہیں ہوسکتا تھا کہ شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے اس شخص کی ظاہری وضع قطع خود شرعی احکام سے عاری تھی۔ (19) البتہ مجرم بننے کی تمام حرکات اس سے سرزد ہوئیں۔ وقفہ وقفہ سے فائرنگ کرنا، اپنے قریب کسی بھی شخص کو نہ آنے دینا اور قریب آنے کی کوشش کرنے والے افراد کی طرف براہِ راست فائرنگ کرنا اور خاص طور پر پیپلز پارٹی کے رہنماء زمرد خان پر فائرنگ جیسے تمام اقدامات اس کو مجرم بنا سکتے تھے لیکن چونکہ اس طرح کا کوئی مرحلہ نہیں آیا اس لئے مجرم نہیں بن سکا۔ البتہ ملزم اور باغی دونوں صفات سکندر ملک پر منطبق ہوسکتی ہیں۔ جس کی تصریح ایک غیر جانبدار شخص ان الفاظ میں کرسکتا ہے کہ ''سکندر ایک دہشت گرد، ریاست کا باغی اور ملزم ہے جس نے نہ صرف ریاستی مشینری کی صلاحیت کو چیلنج کیا بلکہ عوام کو براہِ راست خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا۔''

ذرائع ابلاغ نے سکندر کی ''دلیرانہ حرکت'' (دارالحکومت کو یرغمال بنانے کی) کو خوب خوب پیش کیا لیکن یہ واضح کرنے میں ناکام رہے کہ درحقیقت سکندر دہشت گرد تھا بھی یا نہیں۔ میڈیا نے سکندر کو مندرجہ

بالا کسی ایک نام سے بھی ملقب نہ کیا بلکہ واقعہ کے آغاز سے لے کر انجام تک ''ایک شخص'' کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔ یہ ذرائع ابلاغ کا تساہلانہ اقدام تھا۔ دوسری بات اس واقعہ میں سطحی توجہ کی ضرورت تھی لیکن ضرورت سے زیادہ اور بلاوجہ کی کوریج سے دنیا بھر میں پاکستان کی بدنامی ہوئی۔ حکومتی عملداروں نے بھی یہ اعلان کر دیا کہ سکندر دہشت گرد نہیں لیکن بعد کی تفتیش نے اس دعویٰ کی قلعی کھول دی۔ یوں حکومت اور میڈیا دونوں نے تساہل سے کام لیا اور ایک شخص کی نامعقول کاروائی جس کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی جانی چاہیے تھی، دے دی گئی۔

سوال یہ ہے کہ کیا میڈیا محلاتی سازش کا شکار ہے؟ کیا میڈیا اپنی ذمہ داری کو سمجھنے میں ناکام ہے یا سمجھنا ہی نہیں چاہتا؟ کیا قواعد و اصول کی آڑ میں حقائق کو پس پشت ڈالنے کی کوشش ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب آج کے پاکستانی معاشرے میں غیر واضح ہے۔ خبروں کی مسلسل تکرار اور ذمہ داری کی ادائیگی کے آڑ میں اگرچہ میڈیا کچھ بے باک ہو گیا ہے اور کچھ غیر جانبدار بھی لیکن عوامی شعور کو وہ بالیدگی عطاء نہ کر سکا جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ خبر اور نظر کے شوق میں کبھی مصلح بن جاتا ہے، کبھی داعی بن جاتا ہے اور کبھی منصف، اتنی ساری صفات سے متصف ہونے کے باوجود میڈیا میں حقیقت پسند بننے کی جرأت شاید ابھی تک پیدا نہ ہو سکی۔

لہٰذا جب کبھی دہشت گردی کے واقعات رونما ہوتے ہیں اور ان کو کوریج کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو میڈیا تمام ذمہ داریاں بشمول معروضی انداز میں خبر دینا، حالات سے باخبر رکھنا، واقعات کے پس منظر پر روشنی ڈالنا، حقائق کی تہہ تک پہنچنا، انسانی معلومات سے تھوڑا آگے جا کر اس کے شعور کو بیدار کرنا، ایک خاص نہج پر رائے سازی اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق لوگوں کے رویوں اور رجحانات کی تعمیر وغیرہ احسن طریقے سے ادا کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا جدید ذرائع ابلاغ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہیں جن کا تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں کیا گیا ہے؟ قبل اس کے کہ اس سوال کا جواب ہم ہاں میں دیں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ نے خبر دینے کے ساتھ خبر لینے کو بھی اپنے مقاصد میں شامل کر لیا ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ جہاں یہ شعبہ ہر طبقے، ہر گروہ اور ہر سیاسی پارٹی، مذہبی جماعت اور سماجی تنظیم کی سرگرمیوں کی معروضی انداز میں خبریں دیتا ہے وہاں وہ عوامی نمائندگی کرتے ہوئے ان جماعتوں اور تنظیموں اور گروہوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ان کا مواخذہ اور محاسبہ بھی کرتا ہے تاکہ ان کی کوئی

پالیسی اور سرگرمی قومی مفاد اور سماجی بہبود کے منافی نہ ہو۔ خبری گیری، مواخذہ اور محاسبہ جیسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآہونے کی صورت میں ہم سمجھیں گے کہ پاکستانی ذرائع ابلاغ مندرجہ بالا ذمہ داریوں کو ضرور پورا کرتے ہیں۔ تاہم کوتاہی اور غفلت کی صورت میں ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ذرائع ابلاغ کا حقیقی کردار کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ منفی صورت اختیار کرتا جارہا ہے جو کسی صورت ایک اسلامی ریاست کیلئے اصلاح بخش نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا جس طرح ذرائع ابلاغ لذاتہ مثبت ہوسکتے ہیں یا منفی اسی طرح ان کے کردار کا تعین بھی مثبت یا منفی جیسی صورتوں کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ سطور بالا میں ہم نے سوال اٹھایا تھا کہ کیا ذرائع ابلاغ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآہیں؟ اس سوال کے ضمن ہیں ہم ہاں بھی کہیں تو انکار کا پہلو ہر حال میں نمایاں رہے گا۔ ذرائع ابلاغ کی اولین ذمہ داری عوامی شعور میں ہیجان پیدا کرنا ہے اگرچہ اس حد تک پاکستانی ذرائع ابلاغ کافی کامیاب بھی رہے ہیں تاہم ان کی کامیابی کو قبولیت کا درجہ عطا کرنے سے قبل عوامی شعور کی حد بندی تعین کرنا ہوگی کہ شعور سے کیا مراد ہے؟ اگر ہم شعور کو وسیع معنی میں استعمال کرتے ہیں تو یقینا پاکستانی ذرائع ابلاغ کا کردار مضبوط اور حاوی نظر آتا ہے۔

سیاسی و سماجی اور معاشی معاملات سمیت دیگر تمام مظاہرِ زندگی میں بلوغت نظر آتی ہے تو اس کے پس پردہ انسانی ارتقاء اور نوآموز ذرائع ابلاغ کی جدوجہد کارفرما ہے لیکن اگر شعوری بالیدگی سے مراد کچھ مخصوص شعبہ جات میں دسترس حاصل کرنا ہے جیسا کہ تعلیم و تعلّم، اخلاق و اصلاح، حب الوطنی جیسے موضوعات شامل ہیں تو اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ کا کردار نہ صرف کمزور ہے بلکہ چپ سادگی کے مرتکب بھی نظر آرہے ہیں۔ اگرچہ چند ایک چینل نے تعلیم و تعلّم کے کیلئے بہترے کوششیں کیں ہیں تاہم ان کی یہ کاوشیں انفرادی حیثیت کی حامل ہیں۔ اخلاقی و اصلاحی پہلو کا افسوسناک حد تک فقدان ہے۔ جبکہ حب الوطنی کے حوالے سے بھی کسی شاندار کارنامہ کی طرف اشارہ نہیں ملتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ نوآموز میڈیا ابھی اپنا ابتدائی سفر طے کررہا ہے۔ ان کو متمدن دنیاکے ابلاغی نظام سے نسبت دینا اور انہی جیسی کارکردگی کی توقع رکھنا پاکستانی میڈیائی اداروں پر حد سے زیادہ بھاری ذمہ داری عائد کرنے کے مترادف ہے۔ ایک عشرے کے عرصے میں ہم نہ تو عرشِ معلیٰ جیسی بلندی کی توقع رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ہمیں میڈیا ذمہ داری اور اصولوں کا پابند نظر آئے گا۔ جس طرح زندگی کے دیگر شعبوں

میں میڈیا کی کمزوریاں اور خامیاں بھرپور دیکھی جا سکتی ہیں اسی طرح دہشت گردی کے واقعات کی تشہیر میں بھی ذرائع ابلاغ سے بھول چوک ضرور ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔

دنیا کے دیگر میڈیائی اداروں کی طرح پاکستان میں بھی ذرائع ابلاغ کے ادارے خبر کی تاک میں رہتے ہیں۔ تشہیری انداز وہی ہے جو دنیا کے دیگر اداروں کا ہے۔ خبر کو خبر کی انداز میں ہی پیش کرتے ہیں۔ البتہ دنیا کے مہذیب ممالک میں ذرائع ابلاغ ایک ضابطہ اخلاق کے پابند ہوتے ہیں۔ وہ انہی واقعات کی تشہیر کرتے ہیں جو ان کے ملکی و عوامی مفاد میں ہوتا ہے۔ لیکن پاکستانی ذرائع ابلاغ نے ابھی اس مرحلے سے گزرنا ہے۔ حالیہ دنوں میں پاکستان کے ایک نجی ٹیلی ویژن چینل نے اپنے ایک اینکر پرسن پر قاتلانہ حملے کے بعد جس طرح پاکستانی فوج کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی اور اس کے سربراہ کو ملوث کرنے کی کوشش کی یہ کسی بھی طرح سے اظہارِ رائے کا درست انداز نہ تھا۔ خاص طور پر براہِ راست خفیہ ایجنسی کا نام لے کر اور اس کے سربراہ کی تصویر دیکھا کر بہت زیادہ اور شاید ضابطہ اخلاق سے اوپر کا اظہار کیا گیا۔

جبکہ پڑوسی ملک کے ٹیلی ویژن چینلوں نے اس واقعہ کی آڑ میں نہ صرف آئی ایس آئی کو بدنام کرنے کی کوشش کی بلکہ پاکستانی آرمی کو بھی براہِ راست اس واقعہ میں ملوث ٹھہرایا۔ اگرچہ مذکورہ چینل کو اپنے موقف بیان کرنے کا پورا حق ہے لیکن تحقیقی اور تخریجی عمل سے قبل ہی کسی ادارے کو ملوث قرار دینا نہ صرف اخلاقی دائرے سے خارج تھا بلکہ خود چینل کیلئے مشکلات کا باعث بھی بنا۔ للذا حالیہ دنوں میں رونما ہونے والے اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہشت گردی کے تناظر میں اور اس کی تشہیر میں ذرائع ابلاغ کی عملیت پسندی اب بھی مخمصے کی شکار ہے۔ وہ نہ صرف خبر کو فی الفور ترسیل کی دُھند میں بے باک اور جلد بازی کا شکار نظر آتے ہیں بلکہ بعض دفعہ سنگین غلطیوں کے مرتکب نظر آتے ہیں جیسا کہ حالیہ مشاہدہ ہمارے سامنے ہے۔

حوالہ جات

1۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَاناً فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (سورہ مائدہ، آیت: ۲۷) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچی خبر دیجئے فرزندان آدم (ع) کی جب دونوں نے

قربانی دی تو ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی رد کردی گئی۔(اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمہیں قتل کردوں گا۔ (پہلے نے) کہا قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے۔

خابی جعفر بن جریر طبری، تاریخ طبری، ج۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۸ھ (۲۰۰۷ء)، ص: ۱۹۹

2 ۔آکسفورڈ کنسائزڈ ڈکشنری آف پالیٹکس، ص: ۴۹۲، ۴۹۳

3 ۔ آکسفورڈ کنسائزڈ ڈکشنری آف پالیٹکس، ص: ۴۹۲، ۴۹۳

4 ۔ ایضاً

5۔ولیم ایل لینگر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عام، (مترجم: مولانا غلام رسول مہر)، ج۱، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۵۲-۵۳

6۔ United States department of state publication office of the coordinator for counterterrorism released April 2008,''country reports on terrorism 2007'', Pg:311

7۔فرنٹ لائن ، مورخہ ۱۲، دسمبر ۲۰۰۱ء بحوالہ: حافظ مبشر حسین ، جہاد اور دہشت گردی، مبشر اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۵

8۔ اسلامی فقہ اکیڈمی کی سولہویں کانفرنس، منعقدہ ۱۴۲۲ ہجری، زیر نگرانی رابطہ عالم اسلامی

9۔ Bush, George W. (September 20, 2001).''Address to a Joint Session of Congress and the American People'',The White House. Retrieved 2008-09-19.

10۔ میاں انعام الرحمٰن، پروفیسر، جنوری ۲۰۰۵ء ، "نائن الیون کمیشن رپورٹ: ایک امریکی مسلم تنظیم کے تاثرات کا جائزہ"، مشمولہ: ماہنامہ الشریعہ (اسلام گڑھ-ہندوستان)، جلد: ۱۶، شمارہ: ۱، ص: ۴۸

11۔ ساگر، طارق اسمٰعیل، لال مسجد، آپریشن سائلنس، محمد سید شاہ پرنٹنگ پریس، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۴، ۲۳

احمد رشید، طالبان، اسلام، تیل اور وسط ایشیاء میں سازشوں کا نیا کھیل، (مترجم: حمید جہلمی)، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۲

12۔ عقیل یوسف زئی، "طالبانائزیشن" نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۷۹

13۔اس موقف کا اظہار سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے نائن الیون حادثے کے فوراً بعد امریکی عوام سے خطاب کرتے ہوئے کیا تھا، جس کا حوالہ ہم سطور بالا میں دے چکے ہیں۔

14۔ Alex Conte, "Human right in the prevention and punishment of terrorism", Springen Publisher London, 2010, Pg 63-64

15۔حمید انصاری، سخنِ بیداری، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، بین الاقوامی امور، تہران، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۶۲

16۔ http://www.org.articles/2009/Dec.2009.

Cutting the fuse: The explosion of global suicide terrorism and how to stop it, by Robert A. Pape and James K. Fledman, Library of Congress cataloging-in -Publication, 2010, pg 156.

17۔ سابق وزیر اعلیٰ بلوچستان نواب اسلم رئیسانی نے مورخہ ۳۰ جون ۲۰۱۰ء کو ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''ڈگری، ڈگری ہوتی ہے چاہے اصلی ہو یا جعلی'' [دنیا نیوز، روزنامہ عوام کراچی] اسی طرح مورخہ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۱ء کو قصور میں تحریک انصاف کے جلسے میں کرسیوں کی لوٹ مار پر کہا تھا: ''کرسی کرسی ہوتی ہے چاہے جس چیز کی ہو۔ [سماء ٹی وی، روزنامہ نوائے وقت کراچی]

18۔ سالِ گذشتہ آئی ایس آئی سکھر ہیڈ کوارٹر پر ہونے والے حملوں کی ذمہ داری، اسلام آباد بارکھوہ مسجد پر حملہ کی ذمہ داری، کوئٹہ میں پولیس ہیڈ کوارٹر پر ہونے والے خود کش حملہ کی ذمہ داری، سوات میں میجر جنرل ثناء اللہ سمیت تین دیگر ساتھیوں پر حملہ کی ذمہ داری سمیت طالبان دیگر کئی وارداتوں کی ذمہ داری قبول کر چکے ہیں۔ (حوالہ: معاصر اخبار بشمول ٹی وی چینلز)

19۔ عین شاہراہ پر، جدید ہتھیار سے لیس ہو کر اور فائرنگ کرتے ہوئے اس بات کی ضد کہ موجودہ حکومت فی الفور استعفیٰ دے اور میاں نواز شریف وزارت عظمیٰ کے اہل نہیں، ظاہراً اس طرح کا مطالبہ نہ شریعت کے عین مطابق ہے اور ہی اس کی کوئی شرعی توجیہ کی جاسکتی ہے اس لئے کہ یہ شخص شرعی احکام کے نفاذ کے برعکس عوام کو خوف وہراس میں مبتلا کرنے کا مرتکب ہوا، ریاستی عملداری میں مخل ہوا، یہاں تک کہ ڈکیت بھی نکلا (سکندر ملک نے اپنے زیر استعمال کار زبردستی چھین لی تھی) کیا شریعتِ اسلام لوگوں کو خوف وہراس میں مبتلا کرنے کا حکم دیتی ہے؟ کیا اسلام میں ڈکیتی کی کوئی گنجائش ہے؟ یا ریاست کے خلاف بغاوت جبکہ بظاہر حکومتی معاملات شریعت اسلام کے خلاف نہ ہوں، درست اقدام تھا؟

قرآنِ مجید نے اس طرح کے عمل (مصلح بننا) کے مرتکب افراد کی سرزنش یوں کی ہے: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ o أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار ہو یقینا یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے۔ [سورہ بقرہ، آیت: ۱۱،۲۱] جبکہ حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب فتنے ہوں گے، خبردار ایک فتنہ ہوگا جس میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے شخص سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اس میں چلنے والا ڈورنے والے سے بہتر ہوگا۔'' (مستدرک حاکم، ج ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن، ص: ۴۸۷)